

تصوف اور سیاست

تحریر

مولانا نایس اختر مصباحی

بانی و صدر دائر القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

09350902937

پیش کش:

لیمرا فاؤنڈیشن

شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵

E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com

Contact no:- 09999734908

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب :	تصوف اور سیاست
مؤلف :	ایس اختر مصباحی
طبع اول :	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ / مارچ ۲۰۱۶ء
باہتمام :	داڑ القلم، دہلی
طابع و ناشر :	لمرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی
صفحات :	بتیس (۳۲)
تعداد :	گیارہ سو (1100)
قیمت :	دعاے خیر

پیش کش:

لمرا فاؤنڈیشن

شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵

E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com

Contact no:- 09999734908

تصوف اور سیاست

تحریر

مولانا ایس اختر مصباحی

بانی و صدر داڑ القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

09350902937

پیش کش:

لمرا فاؤنڈیشن

شاہین باغ، نئی دہلی ۲۵

E-mail:-limrafoundationdelhi@gmail.com

Contact no:- 09999734908

پیش لفظ

دنیا کے مختلف حصوں میں دہشت گردی کا دور دورہ ہے۔ اور بے شمار انسان، مختلف شکلوں میں، اس دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں اور اب بھی طرح طرح کے خطرات، ان کے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔

یہ دہشت گردی، کہیں انسانیت کے خلاف، کہیں اسلام کے خلاف اور کہیں مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے۔ اور صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی دہشت گردی کا عذاب، جھیل رہی ہیں۔ اور ایسا بھی ہو رہا ہے کہ دہشت گردی مخالف ہم، چلا کر بے قصور انسانوں پر جھوٹے الزامات، لگا کر، انھیں جیلوں میں بند کر دیا جا رہا ہے اور ایک مدت کے بعد، کورٹ، انھیں باعزت، بری کر دیتی ہے۔

میڈیا کا ایک طبقہ بھی اپنے فرقہ پرستانہ رویہ اور تجارتی مفاد کے تحت، خبریں اچھال کر جذباتی ماحول بنا دیتا ہے اور صحیح حقائق کو چھپا کر، بے قصور انسانوں کی عزت و آبرو اور ان کی زندگی سے کھلو اڑ کر تارہا ہے۔

اسلام، امن و سلامتی کا مذہب ہے جو انسانیت کا احترام، سکھاتا ہے۔ اس سے وابستہ صوفیہ و مشائخ، اپنے اخلاق و کردار سے لوگوں کو قریب کرتے اور انھیں انسانیت کا درس دیتے رہے ہیں۔ تصوف کی صحیح تعلیمات، اگر عام کر دی جائیں اور لوگ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے لگیں تو بہت ساری مصیبتوں اور دہشت گردیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

سوا اعظم اہل سنت و جماعت کے ہر ادارہ و خانقاہ اور تنظیم و جماعت کے ساتھ، ہمیں تعاون و ہم دردی کے جذبہ خیر کے ساتھ، مناسب حُسن ظن سے کام لینا چاہیے اور اپنی دعائے خیر میں انھیں، یاد رکھنا چاہیے۔

کوئی تنظیم، مسلم مسائل کے حل کے لئے کسی بھی مناسب انداز میں کوشاں ہے تو اسے ایسا کرنا ہی چاہیے۔ اسی طرح، کسی وفد کے ساتھ، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ وغیرہ سے ملاقات و گفتگو کرتی ہے تو یہ بھی رائج و معمول بات ہے۔

اپنی شناخت کے ساتھ، کوئی تنظیم، یا کوئی باشعور مسلمان، اگر براہ راست، سیاست کرتا ہے تو

یہ بھی آج کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

کس سیاسی پارٹی سے اس کا تعلق اور اس کی وابستگی ہے؟ یہ اس کی صواب دید پر، منحصر ہے۔ البتہ، کسی ایسی پارٹی سے ہرگز، وابستگی نہیں ہونی چاہیے جو آرائیں ایسی نظریات کی حامل ہو۔ میری تحریک پر "نٹرز اف اوٹیشن" کی طرف سے ہونے والی "دہشت گردی مخالف کانفرنس" بتاریخ ۱۹/۱۱/۲۰۱۵ء۔ بمقام ماؤنٹ لکٹر ہال، کانسی ٹیوشن کلب، رفیع مارگ، نئی دہلی میں صحافی، دانشور، پروفیسر، متعدد سیکولر پارٹیوں کے نمائندے، مرکزی حکومت ہند کا ایک نمائندہ، یہ سب مدعو اور شریک تھے۔ مگر، بھاجپا کا کوئی نمائندہ، نہ مدعو اور نہ ہی شریک تھا۔

صرف، دہلی کے بعض حضرات، بحیثیت مقرر، مدعو تھے، جو اپنے طور پر اپنی سواریوں سے آئے تھے۔ انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (۱۷ تا ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء) کی تفصیلات اور مدعو شخصیات کا علم، نہ ہونے کے باوجود، میں نے اس میں شرکت سے اس لئے انکار کیا کہ:

دہلی کے طویل تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مجھے، یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ: اس کے اندر کوئی "ٹھنڈی ہاتھ" اور اس کے پیچھے، کسی سیاسی پہلو سے کوئی "لمبا کھیل" ہے۔ اور دہلی میں آئے دن، ایسے کھیل ہوتے رہتے ہیں۔

میں نے پہلے ہی مرحلہ میں بِفَضْلِهِ تَعَالَى، جو بھانپ لیا تھا، وہ آج، سب کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے صدقے میں ہم سب پر اپنا فضل و کرم، فرمائے اور شرور و سینات و آفاتِ نفس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

"نٹرز اف اوٹیشن" نیک جذبات کے ساتھ، راقم سطور، ایس اختر مصباحی کی چند تحریریں، جو میڈیا (الیکٹرانک و پرنٹ) میں مارچ کے پہلے ہی ہفتہ میں آچکی ہیں۔ انھیں، آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے، جن سے آپ کو بہت سے حقائق کا علم، ہو جائے گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں آپ کو بہت آسانی ہوگی۔ اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔

ایس اختر مصباحی

مؤرخہ

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

داڑ القلم، قادری مسجد روڈ

۹ مارچ ۲۰۱۶ء، بروز چہار شنبہ

ڈاکر گمر، جامعہ گمر، نئی دہلی

9350902937

بھاجپا کی سیاست، منظور ہے نہ قیادت

”جہاد“ اور ”تصوف“ کا صرف ”مذہبی استعمال“ نہیں، بلکہ بعض اوقات وحالات میں بڑے پیمانے پر ”سیاسی استحصال“ بھی ہوا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر، بعض مغربی افریقی ممالک، مثلاً: الجزائر، مراکش، لیبیا وغیرہ پر فرانس اور اٹلی جیسے طاقتور یورپی ممالک کی فوجی مداخلت اور قبضہ و تسلط کے وقت، مختلف خونریز معرکوں میں ان مسلم ممالک کی صدیوں قدیم خانقاہوں اور ان سے وابستہ، درویشوں، صوفیوں نے جارج و غاصب ممالک کی فوجی قوت کی شدید جنگی مزاحمت کی اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں ان کے دانت، کھٹے کر دیے تھے۔

اسی طرح، مغربی افریقہ کے ایک بہادر و جاں باز مسلم قبیلہ ”بیز“ نے ان یورپی ممالک کی فوجی قوت و طاقت کے خلاف، نہایت بہادری و بے جگری کے ساتھ، محاذ آرائی کر کے جارج و غاصب دشمنوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ، اتار دیا تھا۔

اپنے انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر، یورپی ممالک کے آرباب سیاست و صحافت اور ان کی پروپیگنڈہ مشنری نے دنیا بھر میں:

تصوف و صوفیہ کو بدنام کرنے اور مسلم قبیلہ ”بیز“ کو درندہ و خونخوار قبیلہ کی شکل میں پیش کرنے کے لئے اپنی تجویروں کے دہانے کھول دیے۔

یہ، درحقیقت ”تصوف“ اور ”بیز“ کے خلاف، گھلی ہوئی ”دہشت گردی“ تھی۔

تصوف تو اپنی روحانی توانائی کے ساتھ، آج بھی زندہ سلامت ہے۔ لیکن درندگی و خونخواری کی مثال بنا کر، رائج کی گئی ایک نئی اصطلاح کا یہ مظلوم ”قبیلہ بیز“ کہیں ”بیزیت“ کہیں ”بیزیتا“ کہیں ”بیزم“ کا آج تک، بومی طرح، شکار ہے۔

اور اہم یہ، یہ ہے کہ مسلمان بھی اپنی تاریخی بے خبری کے نتیجے میں اس ”اصطلاحی دہشت گردی“ کو قبول کر کے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی روح کو تڑپا رہے ہیں اور کسی فرد و جماعت کی جارحیت و درندگی کو ”بیزیت“ سے تعبیر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

یہ، وہ مسلسل ظلم عظیم ہے جس کا کسی کو احساس و شعور بھی نہیں ہو پارہا ہے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی میں افغانیوں نے اپنے ملک، افغانستان میں ہونے والی، روسی مداخلت اور فوجی قبضہ و تسلط کے خلاف، گھسان کی جنگ لڑی۔

اُس وقت، امریکہ نے اپنے عالمی حریف ملک، روس کو افغانستان سے نکال باہر کرنے کے لئے اپنے حلیف ملک، سعودی عرب کے اشتراک و تعاون سے افغانیوں کے درمیان ”جہاد“ کے فضائل کی تبلیغ کر کے ان کا جذبہ جہاد، شہسخت کیا اور کروڑوں، آربوں ڈالر کے جدید ہتھیار سے انھیں مسلح کر کے پالاکٹر، روس کو افغانستان، چھوڑ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد، روس کی داخلی کمزوری نے اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور آدھے درجن، نئے ممالک، نقشہ عالم پر ابھر آئے۔

یہ حقیقت، ساری دنیا کو معلوم ہے کہ:

”طالبان“ اور ”القاہدہ“ اسلام دشمن ممالک، اسرائیل و امریکہ و انگلینڈ کے ماہرین سیاست کی ”شیطان کی کھوپڑی“ کی پیداوار ہیں۔

اسی ”انٹرنیشنل لابی“ نے ان تنظیموں کی پرورش و تربیت کی اور انھیں پروان چڑھا کر تندرست و توانا بنایا۔

دس بارہ سال پہلے، ایک چینل کا بڑا تجربہ کار صحافی، میرے پاس (داڑ اقلیم، دہلی) آیا اور اس نے مجھ سے سوال کیا کہ:

افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اس پہلے اور کثیر المناقصد سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ:

خیال کیا ہے؟ بس ایک ہی خیال ہے کہ:

امریکہ کے فراہم کردہ ہتھیاروں کا رخ، جب تک، روس کے خلاف تھا، اُس وقت تک، افغانیوں کا یہ عمل، امریکی پروپیگنڈہ مشنری کی نظر میں ”جہاد“ تھا اور جب انھیں افغانیوں نے امریکی ہتھیاروں کا رخ، امریکی فوج کی طرف کر دیا تو:

دنیا بھر میں، ان کی ”دہشت گردی“ کا پروپیگنڈہ کیا جانے لگا۔

اس جواب کے بعد، میرے اصرار کے باوجود، کوئی سوال کیے بغیر، وہ صحافی، بھجرت تمام، رخصت ہو گیا۔

سقوطِ روس کے بعد، ایک نئے عالمی حریف کی تلاش میں، امریکہ نے ”اسلام“ کو اپنا سب سے طاقتور حریف، سمجھ لیا، اس لئے اس کے خلاف، سازشی رفتار سے چلتے، ہوئے ”بنیاد پرستی“، ”اسلامی بنیاد پرستی“، ”دہشت گردی“ اور پالاکٹر ”اسلامی دہشت گردی“ کے اپنے ہدف تک اس نے رسائی، حاصل کر لی۔

ابھی تازہ ترین بات ہے کہ:

عرب ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر، اسرائیل کو محفوظ، فراہم کرنے کے لئے ایک نئی تنظیم، عالم وجود میں آئی۔ جو ”داعش“ کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

اس ”داعش“ کو اتنی قوت بخش غذا، فراہم کی گئی کہ:

یہ نوزائیدہ تنظیم، گولے کی طرح، اٹھی اور طوفان کی طرح، شام و عراق کے بڑے حصے پر، چھا گئی۔

اس کے مالی استحکام، افرادی کثرت، عسکری تربیت و قوت اور مسلسل فتوحات نے اسے اتنا بے قابو بنا دیا ہے کہ:

درندگی و سفاکی اور انسانیت سوز مظالم کے سارے ریکارڈ، اس ”داعش“ نے توڑ دیے۔

”داعش“ نے ”اللقاعدہ“ کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ اور ”داعش“ کی بہت سے، نہ صرف یہ کہ:

عرب ممالک، لرزنے لگے، بلکہ انٹرنیشنل لابی کی اُس ”شیطان کی کھوپڑی“ میں بھی اس نے بالکل مچادی، جس نے اسے جنم دیا تھا۔

اپنے علاوہ، سارے مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھ کر، ہر مذہب و ملت کے لوگوں پر ظلم و ستم کرتے رہنے والے، صدیوں قدیم ”خارجی فرقہ“ کی سبھی صفات و خصوصیات، داعش کے اندر پائی جاتی ہیں، اسی لئے عالمی میڈیا، بالخصوص، عرب میڈیا، اسے ”خارجی“ کہنے اور لکھنے لگا ہے۔

ماضی میں ”اللقاعدہ“ کے خطرات و اثرات کی روک تھام کے لئے تصوف و صوفیہ، بالخصوص، مولانا جلال الدین، رومی سے متعلق، مضامین و رسائل لکھے اور لکھوائے گئے۔

سیمینار ہوئے۔ کانفرنسیں ہوئیں۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ:

یورپ و امریکہ میں تصوف کی فصل بھرا آگئی ہے۔

اور اب، سفاک و بے لگام، داعش کے وحشیانہ حملوں، اس کی دھمکیوں، اور یورپ و امریکہ کو درپیش خطرات نے انٹرنیشنل لابی کو مجبور کیا کہ ”تصوف“ کے دامن میں پناہ لی جائے۔

چنانچہ، یورپ و امریکہ میں زور و شور کے ساتھ، تصوف کا ذکر ہونے لگا اور اس کا سبق پڑھایا جانے لگا۔

یہ سوچ، کچھ بُری نہ تھی، اگر اس کے اندر، نیک نیتی کا بھی کوئی عنصر، شامل ہوتا۔

مگر، گھوم پھر کر، مسلمانوں کو ہی تصوف کا سبق پڑھانے کے پس پردہ بھی نہایت شاطرانہ بد نیتی، پوشیدہ ہے کہ یہی مسلمان:

دنیا بھر کی دہشت گردی کے جنم داتا اور اصل ذمہ دار ہیں۔ دہشت گرد، انہیں کی صفوں میں پائے جاتے ہیں، اس لئے یہی اس درد کا علاج، اور اس کا مداوا بھی کریں۔

انٹرنیشنل لابی نے جس بد نیتی کے ساتھ، ”جہاد“ کا جذبہ، مشتعل کیا تھا، اُسی بد نیتی کے ساتھ، اس نے ”تصوف“ کی طرف بھی رخ کیا ہے۔

یعنی، اپنے مخصوص عوام کے تحت، جب جہاد، یا تصوف، جس کی ضرورت، پیش آئے، اُس کا چہرہ، سامنے کر دیا جائے۔

اور اس بازی گری کے ذریعہ، اپنے مقاصد و اہداف تک، رسائی، حاصل کی جاتی رہے۔

ہمارے ہندوستان میں بھی قابلِ مذمت دہشت گردی ہوئی اور برسوں تک ہوئی رہی۔ جس کا میڈیا میں چرچا ہوتا رہا۔ لیکن میڈیا کے ایک فرقہ پرست گروپ نے خبر رسائی اور رپورٹنگ کی جس مذموم ذہنیت کا برسوں، مظاہرہ کیا، وہ ”صحافتی دہشت گردی“ کی بدترین مثال ہے۔

دہشت گردی کے الزام میں بے شمار مسلم نوجوانوں کو پھنسا کر، ان کی کردار کشی اور ان کی زندگی برباد کرنے میں بعض صحف و فرقہ پرست پولیس آفیسروں کا مذموم کردار بھی محکمہ پولیس کے دامن پر، ایک بد نمادارغ ہے۔

دہشت گردی، جیسی اور جس کی طرف سے بھی ہو، سخت قابلِ نفرت ہے۔

یہ دہشت گردی، درحقیقت، فرقہ پرستی کی پیداوار ہے۔ خواہ، کسی شعبہ و محکمہ اور قوم و مذہب سے وابستہ افراد کی طرف سے ہو۔

کسی کا کوئی حق، غصب کیا جائے، اس کے ساتھ، زیادتی و نا انصافی کی جائے، اس کی حرمت و ناموس پر حملہ کیا جائے، اس کا مال و متاع چھینا جائے، اس کے ساتھ، مذہبی و نسلی تعصب و تفریق کا برتاؤ کیا جائے، اسے ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا کیا جائے۔

یہ سب، دہشت گردی کے بدترین مظاہر ہیں۔

تین چار سال پہلے، شہر کٹنی-Katni (مدھیہ پردیش) کی ایک پُر ہجوم، پریس کانفرنس میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ:

بھارت میں ہونے والے آتشک و اذیت (دہشت گردی) کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

بھارت میں جتنا آتشک و اذیت ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ یہ آتشک و اذیت جاری رہنے کے آثار، اب نظر نہیں آرہے ہیں۔ کیوں کہ:

کچھ اصلی آتشک و اذیت بھی، اب پکڑے جا رہے ہیں۔ اور ان کے ”تھکنک ٹینک“ پر، اب سوالیہ نشان، لگ چکا ہے۔

اس پریس کانفرنس میں، بیس بائیس صحافی، موجود تھے۔ مگر اپنے پہلے ہی سوال کا جواب

پاکر، ان کا سلسلہ سوال، اچانک، اس طرح، منقطع ہو گیا کہ:

کسی دوسرے سوال کے لئے میرے اصرار کے باوجود، کوئی صحافی، تیار نہیں ہوا۔ سب نے، یکے بعد دیگرے، اپنی اپنی راہ لی۔

حد درجہ افسوسناک اور تشویشناک بات، یہ ہے کہ:

چند سالوں سے اسلام دشمن، انٹرنیشنل لابی نے اپنی پروپگنڈہ مہم کے تحت، اسلام کو "مختدل اسلام" اور "انہما پسند اسلام" کے خود ساختہ، دو خانوں میں تقسیم، کرنے کی سازش، کر رکھی ہے۔ جو، قیامت تک کامیاب، نہیں ہو سکتی۔ مگر مسلمانوں کے درمیان، اختلاف و انتشار کے زہریلے جراثیم، پھیلاتے رہنے سے، وہ، باز بھی نہیں آ سکتی۔ جس سے علما و دانشورانِ ملت کو ہمیشہ، چوکتا رہنے کی ضرورت ہے۔

افغانستان میں اسی انٹرنیشنل لابی نے اپنی پلاننگ کے مطابق، "جہادی اسلام" کو آگے بڑھایا تھا اور سعودی عرب، مال و ریال کے بل بوتے پر، اس خفی ملک کو اپنا ایک ماتحت ملک، بنانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے وہابی لٹریچر کے ساتھ، وہابی مبلغین کی کھیپ، بھیجتا رہا۔ یہی سعودی وہابی تاریخ، ۱۹۲۵ء کی بھی ہے۔ جب، اس نے حرمین شریفین (حجاز مقدس) اور طائف و جدہ پر قبضہ کیا۔ اور:

مسلمانان مکہ و مدینہ و طائف و جدہ پر مظالم کے پہاڑ توڑے۔

جن کا ذکر، مولانا عبدالباری، فرنگی علی، لکھنوی، مولانا حسین احمد مدنی، نواب صدیق حسن بھوپالی، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی دہلوی وغیرہ نے اپنی مختلف تحریروں میں کیا ہے۔ یہ تاریخی حقائق، صفحات تاریخ پہ ثبت ہیں۔ جنھیں، ریال اور درہم و دینار کے ذریعہ، مٹایا نہیں جاسکتا۔

اس کے ساتھ ہی، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ:

ڈالر و پونڈ اور مال و منصب کے سہارے، مسلمانان ہند کو مذہبی و سیاسی طور پر لڑانے بھرانے کی کوئی سازش و کوشش بھی، ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۲۱ جنوری ۲۰۱۵ء کو ایک سرکاری ایجنسی کی جانب سے تفتیش کا میرے ساتھ جو حادثہ ہوا، اُس وقت، مسلمانوں کے ہر طبقے اور ساری تنظیموں، جماعتوں کی طرف سے ہمدردی و یک جہتی کا بے مثال مظاہرہ ہوا۔ اس حادثہ کے دس بارہ روز بعد، ایک معروف مسلم لیڈر نے میرے ساتھ، اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے اپنا ایک اہم واقعہ سنایا کہ:

صوبہ جوں و کشمیر میں جنگ جو عناصیر، جب، سرگرم تھے تو وہاں کے بعض سرکاری

فہمہ داران و آفسران نے اپنا یہ خیال، ظاہر کیا کہ:

جب تک کشمیر میں "صوفی اسلام" کا بول بالا تھا، اُس وقت تک، یہاں، مکمل امن و امان، قائم رہا۔ لیکن جب سے یہاں "وہابی اسلام" آیا ہے، اُسی وقت سے یہاں کے حالات، بگڑنے شروع ہوئے اور مارکٹ کا سلسلہ، شروع ہوا ہے۔

اس مسلم لیڈر کے بقول: میں نے کہا کہ:

اس "وہابی اسلام" کے پیدا کردہ، ان خطرات اور جھوٹی حالات پر قابو پانے کے لئے آپ لوگوں نے کیا قدم اٹھائے ہیں؟ انھوں نے میرے سوال کے جواب میں تصوف و صوفیہ سے متعلق، چند دیدہ زیب کتابیں، دکھاتے ہوئے کہا کہ:

دیکھیے! یہ کتابیں، ہم نے اپنے ذرائع سے لکھوائی اور شائع کرائی ہیں۔

"مختدل اسلام" اور "انہما پسند اسلام" کی طرح، چند سالوں سے "صوفی اسلام" اور "وہابی اسلام" بھی درحقیقت، انٹرنیشنل لابی کی "شیطان کھوپڑی" کی رانج کردہ اصطلاح ہے۔ جو مسلم معاشرے میں گھسنے کی راہیں، تلاش کر رہی ہے۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ اس خطرناک صورت حال سے ہوشیار اور چوکتا رہنا، ہر باشعور مسلمان کے لئے، ضروری ہے۔

اسلام، وہی اسلام ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اسلام، عقائدِ قطعیہ، اجماعیہ کا مجموعہ اور ناقابلِ تقسیم، حقیقتِ واحدہ ہے۔ اس کے برعکس، کسی کا کوئی نام نہاد اسلام ہے تو اسلام اور اہل اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اسلام کی کوئی فرضی و اختراعی تفریق و تقسیم، اہل اسلام کے لئے قطعاً، ناقابلِ برداشت ہے۔

اسلامی عقائد و نظریات، اسلامی رجال و شخصیات اور اسلامی تاریخ و تہذیب پر، جب، کوئی اسلام دشمن قلم کار، اپنی جہالت و شرارت کی بوچھاڑ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر، اسلام اور صرف اسلام ہوتا ہے۔

اس کی نظر میں کوئی سنی اسلام ہوتا ہے، نہ شیعہ اسلام ہوتا ہے، نہ ہی وہابی اسلام ہوتا ہے۔ صدیوں سے سنی، شیعہ، وہابی، یہ سارے فرقے پائے جا رہے ہیں جن کی تفریق کا خاتمہ، بظاہر، ناممکن ہے۔ مگر غیروں کی نظر میں، یہ سب کے سب، مسلمان۔ اور صرف مسلمان ہوتے ہیں۔

کسی مسجد پر جب کچھ فرقہ پرست و شرپسند عناصر کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا ہے۔ کسی داڑھی، ٹوپی اور رقعہ کی عزت، جب کبھی داؤ پر لگتی ہے۔ کسی نشانِ زد مکان، دکان، اور

فیکٹری کو جب آگ لگائی جاتی ہے تو شہر پسندوں اور حملہ آوروں کی نظر میں:

یہ ساری چیزیں، مسلمان اور صرف مسلمان کی ہوتی ہیں۔

کسی سٹی کی ہوتی ہیں، نہ کسی شیعہ کی ہوتی ہیں، نہ ہی کسی وہابی کی ہوتی ہیں۔

ان عملی حقائق سے نگاہیں پھیر لینا اور اسلام و مسلمین کے اجتماعی مفادات و مصالح کو

نظر انداز کر دینا:

خود، اپنی تباہی و بربادی کو دعوت دینے اور خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔

مسلمانان ہند کے اجتماعی مفادات و مصالح کا تقاضا ہے کہ:

اپنے سنگین مذہبی اختلافات کے باوجود، اپنے اجتماعی مفادات کا تحفظ کریں۔

اپنی تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت کو فروغ دیں۔ اور اپنے جائز مطالبات کی

تحکیم کے لئے ایک زبان ہو کر، اپنی آواز بلند کرتے رہیں۔

جیسا کہ مسلم پرسنل لاء، باہری مسجد، اردو زبان، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تناسب آبادی کے

اعتبار سے مسلم ریزویشن اور اپنے دستوری حقوق کے تحفظ، نیز ہندو مسلم فسادات کے خاطر

مخبروں، اور فتنہ داروں کو سزا دلانے اور مظلومین کے ساتھ انصاف کرنے، انھیں معاوضہ

دلانے کے سلسلے میں بیک زبان، وہ اپنی آواز بلند کرتے چلے آ رہے ہیں۔

سنگھ پر یوار (آرائیس ایس اور اس کی شاخیں) کے، وہ مسلم دشمن فرقہ پرستانہ و نسل پرستانہ

نظریات، ساری دنیا پر واضح ہیں:

جنھیں، رُو بہ رُو لانے کے لئے، اس کی درجنوں شاخیں، شب و روز، سرگرم ہیں۔

اس کی پہلی سیاسی شاخ، جن سنگھ کی ایک زمانے تک کوئی صوبائی حیثیت بھی نہیں تھی،

وہ، ایمر جنسی (۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء) کے بعد، اپنی توسیعی حکمت عملی کے تحت، جتنا پارٹی میں

ضم ہو کر، مرکزی حکومت میں شریک اقتدار اور کچھ مدت تک اس کے فوائد، حاصل کرنے کے بعد:

دوہری رکنیت کے سوال پر جتنا پارٹی سے الگ ہو کر، بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کی

شکل میں سامنے آئی۔

اور آج، یہی بھاجپا، شری، نریندر مودی (وزیر اعظم) کی قیادت میں مرکزی حکومت

پر قابض ہے۔

اس بھاجپا کا نظریاتی مرکز، ناگ پور (مہاراشٹر) ہے۔ جس کے حکم اور اشارے پر ہی

اس کی بنیادی پالیسی، طے ہوتی ہے۔

جن سنگھ سے بھاجپا تک کی سیاسی تاریخ، یہی رہی ہے کہ:

دوسروں سے مل کر، ان کے سہارے، اپنے ووٹ بینک میں اضافہ کرتی رہی۔

جس کی تازہ مثال، یہ ہے کہ:

صوبہ جموں و کشمیر میں مفتی سعید کی سیاسی پارٹی، پی ڈی پی کی صوبائی حکومت میں شریک

اقتدار ہو کر، اس نے حکومت کے اثر و رسوخ سے کشمیری مسلمانوں میں گھس پٹھ شروع کر دی۔

مدارس و مکاتب، مسلم تنظیموں، خانقاہوں، مسلم دانشوروں، صحافیوں اور علما و مشائخ سے

رابطہ پیدا کر کے، ان کی صفوں میں اپنے ہم خیال آدمی پیدا کرنے لگی۔

اس نئی صورت حال سے باشعور کشمیری مسلمان، حد درجہ، پریشان اور تشویش

و اضطراب میں مبتلا ہیں۔

بھاجپا نے کشمیر سے کنیا کماری تک، اب اپنی زیادہ توجہ، مسلم ووٹ پر مرکوز کر دی ہے۔

کیوں کہ:

آر، ایس، ایس، نظریات کی وجہ سے مسلم ووٹ، بھاجپا سے ہمیشہ، دور رہا ہے

اور اسے بھاجپا کی سیاست و قیادت، کبھی منظور نہیں رہی۔

یوں تو بھاجپا کا نعرہ ہے: سب کا ساتھ، سب کا وکاس۔ لیکن عمل یہ ہے کہ:

سب کا ساتھ، اپنا وکاس۔ یا۔ سب کا ساتھ، سب کچھ، اپنے پاس۔

پہلے مرحلے میں پانچ صوبائی انتخابات اور دوسرے مرحلے میں اس کے بعد کا اہم ترین

پارلیمانی انتخاب جیتنے کے لئے بھاجپا کو اچھے خاصے مسلم ووٹ کی شدید ضرورت ہے۔

مسلم ووٹ سے اپنی دوری، کم کرنے کی مختلف تدابیر کا سلسلہ، جاری ہے۔

شری، نریندر مودی، چند ہفتہ قبل اپنے ایک غیر ملکی دورے کی تقریر میں ”صوفی اسلام“

کی فضیلت و افادیت بھی بیان کر چکے ہیں۔

صوفیوں، صحافیوں، دانشوروں، تنظیموں، مدرسوں، خانقاہوں اور علما و مشائخ کرام کے

ساتھ، بھاجپا کے تربیت یافتہ، یا۔ اس کے مقرر کردہ، یا۔ کچھ فریب خوردہ افراد، مختلف حیلوں

، بہانوں سے اپنے روابط و تعلقات، خوشگوار بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

آنے والے وقتوں میں دور و نزدیک کی بھاجپائی آمیزش کے ساتھ،

نہ جانے کون سا چہرہ اور کون سا منظر سامنے آئے اور کس ترکیب و تدبیر کے ساتھ،

مسلم ووٹ پر شب خوں مارنے کی تیاری ہو؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ مگر، ہر مسلمان،

وقت سے پہلے سمجھ لے۔ اور ضرور سمجھ لے کہ:

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

مسلمانوں کو کیوں منظور نہیں ہے بھاجپا کی سیاست و قیادت؟

تصوف اور صوفیہ کا سیاسی استعمال! مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول

بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی، سابق نام: جن سنگھ) کو مسلمان، اور مسلمانوں کو بھاجپا، یہ دونوں، ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ، خار کی طرح، کھٹکتے رہتے ہیں۔ اس بھاجپا (بھارتیہ جنتا پارٹی) کو مسلمانوں پر کوئی بھروسہ نہیں اور مسلمان بھی بھاجپا کو بھروسے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مسلم ووٹ کی طرف، بھاجپا، لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہے۔ مگر، مسلم ووٹ ہے کہ اس سے دور رہنے ہی میں اپنی عافیت اور دین و دنیا کی بھلائی سمجھتا ہے۔

جو لوگ، بھاجپا کو محض ایک سیاسی پارٹی سمجھ کر، اس کے کسی اقدام و عمل کو، دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح، صرف ایک عارضی عمل کی حیثیت سے دیکھتے اور اصل مقصد کی تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، وہ، سخت غفلت اور غلط فہمی کا شکار ہو کر، غلط رائے قائم کرتے اور غلط فیصلے کرتے رہتے ہیں۔ مسلم ووٹ، بڑی آسانی کے ساتھ، بھاجپا کو بھی دیگر سیاسی پارٹیوں کی طرح ملتا رہتا اور اس سے وہ، دوری کبھی نہ ہوتی جو آج تک، باقی ہے۔ کیوں کہ سبھی سیاسی پارٹیاں، ہندوؤں ہی کے کھل کنٹرول میں ہیں اور ان کی قیادت اور لیڈرشپ پر، ہندوؤں ہی کا قبضہ اور غلبہ ہے۔

بھاجپا، اپنے خوش کن وعدوں اور سیاسی بیانات و اعلانات و اشتہارات کے ذریعہ، مسلمانوں کا دل اپنی طرف، مائل کر کے، اُن سے سیاسی رسم و راہ رکھنا اور ان کا ووٹ، حاصل کرنا چاہتی ہے۔ مگر، اس کی ساری کوششیں اور روزِ زینیں بے کار اور بے سود ہو کر، روایتی دوری، اپنی جگہ، باقی و برقرار، رہ جاتی ہے۔

وجہ، اس کی یہ ہے اور صرف یہی ایک وجہ ہے کہ:

بھاجپا (سابق نام: جن سنگھ) درحقیقت آرائیں ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کے فرقہ پرستانہ و نسل پرستانہ نظریہ کی حامل، ایک سیاسی شاخ ہے جس کے خمیر و خمیر میں مسلم دشمنی، شامل ہے۔ اور آرائیں ایس کے ساتھ، بھاجپا کی ایسی غیر مشروط و فاداری ہے کہ کچھ بھی ہوتا رہا

ہے۔ اور کوئی بھی چھوٹا ہے تو چھوٹ جائے مگر، اُس آرائیں ایس کا دامن، ہاتھ سے ہرگز، نہ چھوٹنے پائے، جس کے ایک ورکر، ناٹھورام گوڈ سے نے ۱۹۴۸ء میں گاندھی کو بر لاہاؤس، دہلی میں گولی، ماری تھی اور اس کی پاداش میں ملک بھر میں آرائیں ایس کے خلاف، مرکزی حکومت ہند نے پابندی، عائد کر دی تھی۔

جنتا پارٹی کے دور حکومت میں اس سوال و مطالبہ پر کہ:

جنتا پارٹی میں شامل ہونے والی جن سنگھ، جنتا پارٹی اور آرائیں ایس میں سے کسی ایک ہی کی ممبری قبول کرے۔ بیک وقت، دونوں کی ممبری، جاری نہیں رکھ سکتی۔ وہ، دو میں سے کسی ایک کا جلد، انتخاب کر لے۔

تکشمش کے اس دور میں جن سنگھ گروپ نے آرائیں ایس کے حق میں فیصلہ کیا اور شری، اٹل بہاری واجپئی و شری، لال کرشن ایڈوانی کی قیادت میں جنتا پارٹی چھوڑ کر، بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے ۱۹۸۰ء کے پارلیمانی الیکشن میں حصہ لیا۔

آئندہ بھی کسی بھی فیصلہ کن مرحلے میں بھاجپا کا یہی فیصلہ ہوگا کہ:

سب کچھ چھوٹے تو چھوٹے مگر آرائیں ایس کا دامن، ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

۱۹۸۹ء کے پارلیمانی الیکشن کے موقع پر، شری، وی پی سنگھ کی پارٹی ”جنتا دل“ سے بھاجپا نے سیٹوں کا سمجھوتہ کیا اور اسی معاہدہ کے سہارے، اٹھاسی (۸۸) پارلیمانی سیٹیں جیتنے میں اس نے کامیابی، حاصل کر لی۔

بھاجپا نے ہمیشہ، وہی کیا ہے جس کا حکم، اسے آرائیں ایس نے دیا ہے اور بھاجپا، وہی کرتی رہے گی جس کا حکم، اسے آرائیں ایس اور اس کے ہیڈ کوارٹر، ناگ پور (مہاراشٹر) سے ملتا رہے گا۔ اس کے علاوہ، اگر کوئی شخص، کچھ سوچتا اور سمجھتا ہے تو، یہ اس کی اٹلی اور خود فریبی ہے۔

مسلو یعنی اور ہٹلر جیسے نسل پرست اور ظالم حکمران، آرائیں ایس کے آئیڈیل (نمونہ فکر و عمل) ہیں۔ سنگھ پر یوار (آرائیں ایس، و شو ہندو پریشد، بجرنگ دل، ہندو مہاسبھا، ہندو یو اڈھنی وغیرہ) نسل پرستی، فرقہ پرستی، جارحیت پسندی، مسلم دشمنی کے انجوائے ترکیبی سے مرگب، ایک ایسی تنظیمی و تحریکی قوت ہے جس کا اصل نشانہ، اپنے نظریہ اور اپنی قومیت کے دائرے میں تشکیل پانے والے ”ہندو راشٹر“ کا قیام ہے۔

دلی کے نہرو میوزیم میں موجود ریکارڈوں کے مطابق، ہٹلر اور موسولینی، جیسے

ڈکٹیٹروں اور فاشسٹ لیڈروں کے ساتھ، آرائیں ایس کے قریبی تعلقات تھے۔ اور انھیں کا نسل پرستانہ نظریہ و فلسفہ، آرائیں ایس کا آئیڈیل (نمونہ فکر و عمل) ہے۔ آرائیں ایس کے بانی، آنجنمانی، ڈاکٹر، ہیڈ گوار کے ہندو وادی دوست، مسٹر بی ایس مونجے نے ۱۹۳۱ء میں، اٹلی کے سفر میں وہاں کی لائبریریوں، اداروں کو دیکھنے کے ساتھ، نسل پرست لیڈر، مسولینی سے بھی تفصیلی ملاقات کی تھی۔

اٹلی کی نسل پرست تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے، مسٹر مونجے نے لکھا ہے کہ:

ہندوستان، خاص کر، ہندو بھارت کو بھی ایسی ہی تنظیموں کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر، ہیڈ گوار کی قیادت میں ہماری تنظیم ”راشٹریہ سویم سیوک سنگھ“ بھی اسی طرز پر بنی ہے۔ میں، تاحیات، ڈاکٹر ہیڈ گوار کی اس تنظیم، آرائیں ایس کی ترقی اور پورے مہاراشٹر اور اس سے باہر، اس کی توسیع کے لئے سرگرم رہوں گا۔

آرائیں ایس کے بانی، آنجنمانی، مسٹر، ہیڈ گوار، ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک جس ہندو مہاسبھا کے سکریٹری تھے، ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک، ساؤر کر، اس کے صدر، رہے۔

ساؤر کر، جرمنی کے ہٹلر سے کافی متاثر تھے۔

ساؤر کر نے اکتوبر ۱۹۳۸ء میں، مالگاؤں (مہاراشٹر) میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

کسی ملک کی تعمیر، اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے، نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر۔“

نہرو میموریل لائبریری کے مطابق، مسٹر، مونجے نے مسٹر، کھا بڑے کو بھیجے گئے ایک خط میں لکھا کہ:

مسلمان، بہت شرارت پسند ہو گئے ہیں۔ کانگریس، ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے، ان کے سامنے، سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ اس لئے سرکار اور مسلمان، دونوں کے خلاف، لڑنا ہوگا۔ اس کے لئے آرائیں ایس کا استعمال، آسان اور نفع بخش ہو سکتا ہے۔

”چرچے“ کا مقابلہ، آخر کار ”رائفل“ ہی سے کرنا ہوگا۔“

ہٹلر و مسولینی جیسے ظالم و نسل پرست حکمران، جنہیں، ساری دنیا نے مسترد کر دیا، اُن کا ہی سنگھ پر یوار، پرستار ہے۔

ہٹلر کی نسلی تفریق کی پالیسی اور مسولینی کی فاشسٹ تنظیم، اسے پسند ہے۔

اور اسی طرز پر ہندوستان میں، یہ سنگھ پر یوار، اپنی فرقہ پرست و نسل پرست حکومت، قائم کرنا اور ہندو راشٹر کا اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جو اس کے ”وچار دھارا“ (طرز فکر) اور اس کی

مخصوص ”راشٹریا“ (قومیت) کی بنیاد پر، قائم ہو۔

آنجنمانی، شری، گرو گولوالکر، جو آرائیں ایس کے ایک سربراہ اور اس کے نظریہ ساز لیڈر تھے، ان کے تمام تر نظریات، ہندو راشٹر کے قیام کے محرک ہیں اور ہندوستان میں:

مسلم وجود کو، ہندو کے لیے ایک چیلنج سمجھتے ہیں۔

”شیخ آف تھاٹ“ پڑھ کر، گولوالکر اور آرائیں ایس کے سبھی لیڈروں کے دل و دماغ اور ان کی سوچ کی پرتیں، اور گر ہیں، کھلتی نظر آتی ہیں۔

آنجنمانی، شری، دین دیال اُپادھیائے، آرائیں ایس کے صف اول کے نظریاتی لیڈر ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر پر مشتمل، بتیس (۳۲) صفحہ کا ایک پمفلٹ (بزبان ہندی۔ مطبوعہ ۱۹۹۶ء۔ ٹوئیڈا۔ یو پی) ہے۔ اس پمفلٹ میں شری، گولوالکر کا، یہ خیال بھی درج ہے کہ:

جب، پیڑ میں قلم لگائی جاتی ہے تو اس کی نشوونما ہی بدل جاتی ہے۔ اسی طرح، جب کوئی مسلمان، بنتا ہے تو اس کا بھی یہی حال ہو جاتا ہے۔ اور وہ، بھارت سے الگ ہو جاتا ہے۔“

شری، اُپادھیائے نے یہی خیال، ایک تعلیم یافتہ طبقے کو خطاب (در آندھرا پردیش۔ ۱۹۶۵ء) کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ:

مسلمان ہونے کے بعد، اس کی نشوونما اور سوچ ہی بدل جاتی ہے۔ وہ، راشٹر (قوم) سے الگ اور راشٹر کا دشمن ہو جاتا ہے۔

یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں کا مسلمان، راشٹری (قوم پرست) نہیں۔ وہ، انھیں چیزوں کو اپناتا ہے، جو ہندوستان مخالف ہوں۔“

اس پمفلٹ میں یہ بھی ہے کہ شری، اُپادھیائے اور شری، گولوالکر کا خیال ہے کہ:

”مسلمان، اجتماعی طور سے برے۔ اور ہندو، اجتماعی طور سے اچھے ہیں۔“

پونے، مہاراشٹر کی اپنی ایک تقریر (در ۱۹۶۵ء) میں شری، اُپادھیائے کہتے ہیں کہ:

یہاں، مسلمان، تلوار لے کر آئے تھے۔ اس بات کو بھلا یا نہیں جاسکتا۔

اسی لئے، یہ بھی نہیں بھلانا چاہیے کہ:

مسلمان سے چلی آ رہی ہماری محاذ آرائی، مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔“

کفر و گمراہی پر مشتمل ”دین الہی“ کا موجد اور نماز روزہ کا مذاق اڑانے والا مغل بادشاہ، اکبر، چون کہ، ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوا تھا اس لئے اس کے بارے میں شری اُپادھیائے کا یہ خیال ہے کہ: اکبر، نہمان (عظیم) ہوگا۔ مگر وہ، ہمارا نہیں تھا۔

ہم، جب کہتے ہیں کہ ہزار سالہ غلامی سے ہم، آزاد ہوئے تو اس کا سیدھا مطلب، یہی ہوتا ہے کہ:

اکبر کے دور حکومت میں، ہم، غلام تھے۔“ (مذکورہ ہندی پمفلٹ)

آر ایس ایس کے ایک سربراہ، آنجنمانی، شری، کے، ایس، سدرشن نے بھونیشور (اڑیسہ، انڈیا) کی اپنی ایک عوامی تقریر میں کہا کہ:

مسلمان، اپنے اسلام کا بھارتیہ کرن کر لیں۔ یہاں کی تہذیب کو اپنے اندر جذب کر لیں۔ یہ ملک، ایک نسل، ایک تہذیب اور ایک دھرم کی بنیاد پر ہی مستحکم ہو سکتا ہے۔

(یو این آئی۔ پی ٹی آئی۔ ۲۵ فروری ۲۰۰۱ء)

ہری ڈوار، (اتر پردیش) میں ایک عوامی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے، آر ایس ایس سربراہ، شری، کے، ایس، سدرشن نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ:

مسلمان اور عیسائی، اپنی مذہبی عبادت گاہوں کا راشن کر لیں۔ مکہ اور بیتلکن سے اپنے رابطے، منقطع کر کے، ہندوستانی بنیں۔

مسلمان اور عیسائی، جب تک،، ملک کی تہذیب سے نہیں جو جاتے، تب تک، ملک کی صحیح تعمیر، نہیں ہوگی۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کو اپنا طرز فکر، ہندو قوم پرستانہ بنا کر جدید کلچر، اپنانا ہوگا۔“

(۹ مارچ ۲۰۰۱ء کے اخبارات)

سنگھ پر یوار کے مصنفین و مورخین کا خاص مشغلہ، یہ ہے کہ:

تاریخی حقائق و واقعات کو توڑ مروڑ کر، صدیوں پرانی تاریخ، اپنی مرضی اور منشا کے مطابق بنائی جائے اور اسکول و کالج و یونیورسٹی کے نصابِ تعلیم میں ایسا مواد اور ایسی معلومات، شامل کر دی جائیں جو تعلیم یافتہ ہندوؤں کو، سنگھ پر یوار کا ہم خیال وہم ٹوا، بنا دیں۔

مسلمانوں کو تعلیم و تجارت اور ملازمت سے کس طرح، دور رکھا جائے، ان کے سامنے، ایسی مشکلات اور رکاوٹیں، کھڑی کر دی جائیں کہ وہ خود، قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے پس ماندگی و بد حالی کا شکار ہو جائیں، ان کی مساجد و مدارس اور قبرستانوں کو اختلافات و تنازعات کا شکار بنایا جائے۔ اور رفتہ رفتہ، ان کی تعلیم و تجارت و ملازمت اور ترقی و استحکام کی راہیں، حکمتِ عملی کے ساتھ، مسدود کر دی جائیں۔

سنگھ پر یوار کے یہی، وہ عزائم ہیں، جن کی طرف وہ، قدم بقدام، آگے بڑھ رہا ہے۔

”جنانِ عجم کے پنجاری“ اگر ”تھوٹ“ میں کچھ آمیزش۔ یا۔ آلائش دنیوی میں اسے ملوث۔ یا۔ کسی طرح سے اس کا ”سیاسی استحصال“ کرنے لگیں۔ یا۔ کچھ خام کاران تصوف، کسی دامِ ہم رنگِ زمیں و فریب خوردگی کا شکار ہونے لگیں تو ایمانی غیرت و حمیت اور شعور آگہی رکھنے والا ہر مردانا، اور کوئی بھی بلند فکر و اقبال مند فرزانہ، یقیناً مضطرب اور بے چین ہو جائے گا۔ اُسے فکر، لاحق ہوگی۔ اور صرف فکر، لاحق نہیں ہوگی، بلکہ یقین و اعتماد، استقلال و استقامت اور عزم و حوصلہ کی بلند چوٹی سے وہ، یہ کلمہ حق بھی بلند کرنے لگے گا کہ:

اگرچہ، بُت ہیں، جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکمِ آذال، لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

کسی خطرے کی بو، اور طوفان کی آہٹ، محسوس کرتے ہی اپنے ساتھ، اپنوں کو بھی بیدار و ہوشیار اور چوکنا کر دینا، فراسِ ایمانی اور اخوتِ اسلامی کا تقاضا ہے۔

اور یہی وہ تقاضاے اسلام و ایمان ہے، جسے پوری بلند آہنگی کے ساتھ، پورا کیا ہے اپنے دور کے امامِ عشق و عرفان، امام احمد رضا، عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَالرَّضْوَانُ نے کہ:

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی، کالی ہے

سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل، صاف چڑالیں، یاں وہ چور، بلا کے ہیں

تیری گٹھری، تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

صوفی سیمینار و کانفرنس (نئی دہلی) سے متعلق، چند معروضات

کانگریسی وزیراعظم، مسٹر نرسہاراؤ کے دور حکومت میں ۶ دسمبر (۱۹۹۲ء) وہ، اکناک تاریخ ہے جس میں باری مسجد کی شہادت کا حادثہ رونما ہوا۔ اور اس کا ڈیڑھ دار، عام طور پر، سنگھ پر یوار (بھاجپا، وشو ہندو پریشد، بھگت دل وغیرہ) کو سمجھا جاتا ہے۔ بیشتر سیاسی حلقے، نرسہاراؤ کی غفلت و کوتاہی، یا، درپردہ سازش، یا، خاموش کردار کو بھی اس کا ڈیڑھ دار مانتے ہیں۔ اور مسلمانان ہند، بلا تکلف و توقف، ان دونوں (سنگھ پر یوار و نرسہاراؤ) ہی کو شہادت باری مسجد کا مجرم، گردانتے ہیں۔

اسی لئے ان دونوں (سنگھ پر یوار و نرسہاراؤ) سے مسلمانوں کی ناراضی، اپنے شباب پر تھی۔ جس کا سلسلہ اب تک، جاری ہے۔

نرسہاراؤ لابی کو، اس کی سخت فکر، لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کی شدید ناراضی، کانگریسی کشتی کو لے ڈوبے گی۔

۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن، اس کے لئے موت وزیست کا سوال تھا۔

اور کچھ، ایسا ہی ہوا بھی کہ مسلمانوں نے ۱۹۹۶ء کے پارلیمانی الیکشن میں کانگریس کو ایسا سبق

سکھایا کہ، مدتوں، وہ سبق، اسے یاد رہے گا۔

۱۹۹۹ء کی بات ہے کہ دہلی کی ایک ملاقات میں جب، مسٹر، ملائم سنگھ یادو، صدر سماج وادی پارٹی سے، میں، بعض مسلم مسائل پر گفتگو کر رہا تھا تو دوران گفتگو، انھوں نے ایک موقع پر کچھ جھلا کر، کہا کہ:

ہم سے ہی سارا حساب، آپ لیں گے؟ کانگریس سے حساب نہیں لیں گے؟

میں نے بر جت اور بلا تکلف جواب دیا کہ:

لے لیا ہے اس سے حساب۔ جمعی تو سڑک پر گھوم رہی ہے۔ اب، اس سے اور کیا حساب لیں؟

ملائم سنگھ نے بات کا رخ بدل کر، دوسری بات، شروع کر دی۔

کانگریس کی نرسہاراؤ لابی نے ۱۹۹۵ء میں پورے ملک کا سروے کرایا کہ:

ہندوستانی مسلمانوں کا، کون سا طبقہ، اکثریت میں ہے؟

سروے کا مقصد، یہ تھا کہ: اس اکثریتی طبقہ کو کام کر کے، ۱۹۹۶ء کا پارلیمانی الیکشن، کسی طرح، جیت لیا جائے۔

سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ:

ملک میں ”بریلوی خانقاہی“ مسلمانوں کی تعداد، اسی (۸۰) فی صد ہے۔

بس پھر کیا تھا، کروڑوں روپے کا بجٹ، مختص ہو گیا کہ:

اس اکثریتی طبقے کے بعض، زیر دام آنے والے مذہبی حضرات کی خدمت میں مختلف ناموں اور مختلف

طریقوں سے نذرانہ شکرانہ کی شکل میں کچھ پیش کرنے اور اپنی بات، آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

رابطہ کی خدمت، انجام دینے کے لئے ایک پتے ہوئے نہاٹے جی، منتخب ہوئے کہ با اثر مذہبی حضرات سے رابطہ کر کے، انھیں، کانگریس کے حق میں رام کریں۔

اس رابطہ کا سلسلہ، کہاں سے اور کیسے شروع ہوا؟ اور کیا کیا مراحل، پیش آئے؟

یہ تو اندرونی بات ہے، جسے متعلقہ افراد ہی جانتے ہوں گے۔

لیکن! باضابطہ، ہم، شروع ہونے سے پہلے، ایک روز ایسا ہوا کہ:

لگ بھگ، مئی جون ۱۹۹۵ء میں ایک نمائندہ خصوصی، میرے شس (ٹی ایل دہلی) میں تشریف لائے۔

اور تھوڑی دیر، مسلم مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ:

کسی اطمینان کی جگہ چلتے ہیں۔ تاکہ تفصیل سے کچھ گفتگو ہو سکے۔

چنانچہ، وہ مجھے لے کر، پرگتی میدان (نئی دہلی) پتے اور وہاں، ایک جگہ بیٹھ کر، تمہیدی گفتگو

کرنے کے بعد، انھوں نے فرمایا کہ:

”اہل سنت کی کوئی مضبوط و متحرک، ہندوستان گیر تنظیم نہیں ہے۔ جب کہ دیوبندیوں کی

جمعیت العلماء، پورے ملک میں سرگرم ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اہل سنت کی ایک ایسی تنظیم بنائی جائے جو جمعیت العلماء سے بھی بڑی ہو۔ یہ کام،

آپ کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے فنڈ کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔“

اس، بڑی پیش کش کے سننے کے ساتھ ہی، میری ”بھٹی جس“ بیدار ہو چکی تھی۔

میں نے جواباً، عرض کیا کہ:

”آپ کا خیال تو اچھا ہے۔ لیکن، چند ماہ بعد ہی پارلیمانی الیکشن کی ہما بھی، شروع ہونے والی

ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ:

ابھی، اس بات کو ہمیں رہنے دیں اور الیکشن، ختم ہونے بعد، کسی روز، مل بیٹھ کر تفصیلی گفتگو

کر لیتے ہیں اور ایک لائحہ عمل بنانے کے بعد، کام، شروع کر دیا جائے گا۔“

میرا جواب، سن کر، وہ، کچھ زیادہ ہی مڑ جھائے نظر آئے اور مجلس، برخاست ہو گئی۔

نہاٹے جی کا ایک روز، اچانک میرے پاس، فون آیا اور بغیر کسی سابقہ ملاقات و گفتگو کے، بڑے

تپاک سے فلسفیانہ انداز میں سلسلہ کلام، شروع کیا اور ایک گھنٹہ، بیس منٹ تک گفتگو کرتے رہے۔ جس میں

خاص زور اور اصرار، اس بات پر تھا کہ: نرسہاراؤ سے ملاقات کر لیجیے۔

اس کے ساتھ ہی، بڑے مہذب انداز میں (بینی الشطور)

کچھ خصوصی عنایتوں اور لوازشوں کی بھی پیش کش تھی۔

میں نے دونوں انداز میں، نہاٹے جی کو جواب دیا کہ:

”بابری مسجد کی شہادت میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح سے، زسمہاراؤ کا بھی ہاتھ ہے۔ اس لئے میں، راولے سے ملاقات نہیں کر سکتا۔“

انہیں ایام (۱۹۹۵ء) میں ایک صاحب، جو ٹیلی مسائل میں برسوں سے دہلی میں سرگرم تھے، اردو صحافی بھی ہیں، وہ، میرے پاس (ٹیلی، دہلی) آئے اور دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ انہیں بھی میں نے ٹکا سا جواب دیا۔ جس کے بعد، وہ، ماہوں و نامراد، واپس لوٹے۔

صحافی مذکور، آج کل بھی، ڈاکٹر (جامعہ مگر، نئی دہلی ۲۵) میں چلتے پھرتے اور ٹھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ابھی، اسی مارچ (۲۰۱۶ء) کے آغاز میں وہ، اچانک ایک روز مجھ سے ملے اور ۱۹۹۵ء کی اپنی کوشش اور ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ:

”آپ، کسی طرح، قابو میں نہ آسکے۔ ورنہ آپ کے لئے معاملہ، بہت لمبا تھا۔“

مخرونیاز کے ساتھ، بارگاہِ اہلبی میں سجدہ شکر ادا کرتا ہوں کہ:

اُس نے اپنے ایک بندہ ناتواں کو ایک بہت سنگین امتحان میں کامیاب و بائرا دینایا۔ اور:

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جستش میں

جسے غرور ہو، آئے، مجھے شکار کرے

دوڑھائی ماہ پہلے ”علم و مشائخ بورڈ“ کے ایک نمائندہ خصوصی، میرے پاس (داڑ اقلیم، دہلی) آئے اور انہوں نے انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار، ہاتھوں سیمینار کے تعلق سے گفتگو کی۔

سب کچھ سننے کے بعد، میں نے صاف الفاظ میں اپنی شرکت سے انکار کر دیا۔

جب کہ اُس وقت اس صوفی کانفرنس و سیمینار کے تعلق سے کوئی چرچا تھا، نہ ہی لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم تھا۔

خود، مجھے بھی پروفیسر، طاہر القادری اور شری، زبیر مودی کی شرکت کا کچھ علم، نہ تھا۔

نمائندہ خصوصی کی طرف سے عدم شرکت کی وجہ پوچھے جانے پر میں نے جواب دیا کہ:

”دہلی کے تیس (۳۰) سالہ سیاسی و صحافتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، یہ رائے، قائم کی ہے،

اور یہ فیصلہ، میں نے کیا ہے۔“

بعد کی ایک گفتگو میں اسی نمائندہ خصوصی نے کہا کہ:

بورڈ کے صدر محترم، آپ سے ملاقات کے لئے داڑ اقلیم، آنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا کہ: وہ میرے پاس تشریف لائیں۔ یا۔ میں، ان کے پاس جا کر، ملاقات کروں۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔

مگر، اس وقت، اس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو، مناسب نہیں۔

یہ جواب، میں نے اس لئے دیا کہ: اپنے فیصلہ اور موقف سے کسی قیمت پر، میں دست بردار نہیں ہو سکتا تھا اور وہ، اپنی منزل کی طرف، اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ قدم، پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں اس موضوع پر کوئی ملاقات و گفتگو، نہ صرف، یہ کہ بے سود رہتی، بلکہ خطرہ، اس بات کا تھا کہ: گفتگو کے کسی مرحلے میں کسی طرف سے کوئی تلخی اور پھر، بد مزگی، نہ پیدا ہو جائے۔ اور کسی کے تعلق سے کوئی نازیبا تبصرہ، کسی کی زبان سے نہ نکل جائے۔

سیاسی پارٹیاں، جس کو قریب کر کے اس سے کچھ کام لینا چاہتی ہیں، اُس کے مزاج و معیار کو سامنے رکھ کر ہی کوئی بات کرتی اور تجویز پیش کرتی ہیں۔ یا۔ اُس کی تجویز پر غور کرتی اور اسے آگے بڑھاتی ہے۔

چنانچہ، مقدس شخصیات کے لئے کوئی ٹھوس نمائندہ، تیار کرتی ہیں۔

اور پھر، انہیں اپنے دام فریب کا شکار، بناتی ہیں۔

جسے فریب خوردہ لوگوں کو کھنسنے میں اکثر اوقات، کافی دیر ہو جاتی ہے۔ اور آنکھ، اُس وقت کھلتی ہے جب، وہ، کسی دلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس و سیمینار (۲۰۱۷ء تا ۲۰۱۶ء مارچ ۲۰۱۶ء۔ نئی دہلی) کی تیاریاں، زور و شور کے ساتھ، جاری ہیں۔ ملکی و غیر ملکی بہت سے علم و مشائخ کی آمد و شرکت کا چرچا ہے۔

اس کے ساتھ ہی عوام و خواص کے ذہنوں اور ان کی محفلوں میں، یہ سوالات بھی گردش کر رہے ہیں کہ:

(۱) سیکڑوں مدعو حضرات، ہاتھوں غیر ملکی مندوبین کی آمد و رفت، فائو ایسٹار ہوٹلوں میں قیام و طعام اور متعلقہ انتظامات کے اخراجات، کروڑوں میں ہیں۔ جس کے لئے مسلمانوں کے مالی تعاون اور چندہ کی کوئی خبر نہیں۔

آخر، اتنی خطیر رقم اور تباہی افند، کہاں سے آ رہا ہے۔ یا۔ کہاں سے آئے گا؟

تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت اور وفاہی امور کے لئے مختلف وزارتوں اور محکموں کی سرکاری مراعات اور طرح طرح کی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کے قانونی و جمہوری عمل کی بات، الگ ہے۔

اس کا باضابطہ تحریری ریکارڈ، اداروں، تنظیموں، اور وزارتوں و محکموں کے دفاتر میں موجود ہوتا ہے۔

جنہیں لینے اور دینے والے فریق، بلا جھجک، دوسروں کو بتا سکتے ہیں۔

کسی بھی حکومت کی طرف سے اس طرح کا تعاون ملنا اور اسے حاصل کرنا، سارے ہندوستان میں رائج و معمول ہے۔ جسے کوئی شخص، غلط اور برا نہیں سمجھتا ہے۔

مگر، خالص مذہبی پروگرام، منعقد کرنے کے لئے کوئی بھی حکومت، کسی طرح کا بھی کوئی مالی تعاون کر ہی نہیں سکتی ہے۔

ہاں! صرف، ایک صورت ہے کہ:

بلا حساب و کتاب کا پیسہ جس طرح، ایم ایل اے اور ایم پی کے الیکشن میں پارٹیاں خرچ کرتی ہیں اور انتخابی امیدوار اپنے ووٹروں پر خرچ کرتے ہیں، اس طرح کی کوئی صورت، اختیار کی جائے۔

مگر، کہاں سے آرہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ کتنا آرہا ہے اور کتنا جا رہا ہے؟

لینے دینے والا کوئی فریق، اس طرح کے سوالات کا جواب، کھل کر، دینے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتا۔

یعنی، مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ: غالباً ”نامعلوم ذرائع“ کے کثیر سرمایہ سے اس صوفی کانفرنس و سیمینار، نئی دہلی کا انعقاد ہو رہا ہے۔

اب سوال، یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں صوفیہ و مشائخ کے کسی طبقہ نے ”مٹھوکو بلکہ مذموم ذرائع“ سے تصوف کی کبھی کوئی خدمت کی ہے؟

اور ایسی کسی خدمت کو کسی صوفی مشرب میں کبھی رُوّ اسبھا گیا ہے؟

(۲) پروفیسر، طاہر القادری، بانی ادارہ ”منہاج القرآن“، لاہور کے:

بعض مذہبی تجاویزات و اخراجات، ایسے ہیں کہ:

پاکستان کے ذمہ دار و مستند علما و مشائخ میں سے کسی ایک بھی ایسی معروف و مستند شخصیت، یا کسی مرکزی سنی ادارے، مثلاً: دارالعلوم جوب الاہناف، لاہور و جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور و آوار العلوم، ملتان، اور دارالعلوم امجدیہ، کراچی و دارالعلوم نعیمیہ، کراچی وغیرہ میں سے کسی کا نام، پیش نہیں کیا جاسکتا، جس کی کوئی تائید و حمایت، پروفیسر طاہر القادری کو حاصل ہو۔ بلکہ اختلاف اور شدید ناراضی کا ماحول پایا جاتا ہے۔

پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے کم از کم جو بات، کوئی شخص، کہہ سکتا ہے وہ، یہ کہ:

”مٹھوکو و متہم“ شخص ہیں۔“

اور مٹھوکو و متہم شخص۔ یا۔ جگہ سے، دور رہنے کی ہدایت ہے۔

جیسا کہ اہل سنت کے بزرگ ترین عالم، شیخ الاسلام، حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں، اشرفی

کچھ چھوی، ذمہ ظلمۃ العالی نے اپنے ایک (مکالماتی)

تازہ بیان میں پروفیسر، طاہر القادری کے تعلق سے، یہی ہدایت فرمائی ہے۔

ایسی صورت میں پروفیسر، طاہر القادری کو اس کانفرنس و سیمینار میں مدعو کر کے، خواہ مخواہ کے اختلاف

و انتشار کو دعوت دینے اور ہندوستان کے بے شمار علمائے اہل سنت کو ناراض کرنے کی ضرورت، کیا تھی؟

اور یہ بھی ایک عجیب حادثہ ہے کہ وہاں کی امامت قبول کرنے والے طاہر القادری کو، نہایت سختی

کے ساتھ، انکار امامت کا اعلان کرنے والے بورڈ نے دعوت بلا ضرورت و حاجت دے کر، دورہ ہند اور

شرکت کانفرنس و سیمینار کی رحمت ہی کیوں دی؟

(۳) وگیان بھون، نئی دہلی، ایسی وی آئی پی جگہ ہے، جہاں، شاید ہی اب تک کسی مسلم تنظیم کا کوئی پروگرام ہوا ہو۔

اس وگیان بھون کے انتخاب کی حکمت و مصلحت، یہی سمجھ میں آتی ہے کہ:

شری، نریندر مودی، وزیر اعظم حکومت ہند، صوفی سیمینار کا، اس وگیان بھون میں افتتاح کرتے ہوئے افتتاحی خطاب بھی فرمائیں گے۔ جس کا تنظیمین کی طرف سے، باضابطہ اعلان، ہو چکا ہے۔

جب کہ تصوف کانفرنس و سیمینار میں کسی سیاسی لیڈر کی شرکت کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اور اگر کچھ ضرورت، محسوس کی گئی تو آخر، صرف ایک سیاسی شخصیت کو اس پروگرام میں مدعو کرنے

اور اسے خطاب کرنے کا موقع دینے کا مقصد کیا ہے؟

شری، نریندر مودی کو بحیثیت وزیر اعظم ہند، مدعو کیا جاسکتا تھا تو شری کب جبر ہوال (صدر عام آدی

پارٹی) کو بحیثیت وزیر اعلیٰ دہلی، کیوں، مدعو نہیں کیا گیا؟

اور بعض دوسری سیاسی پارٹیوں کے سربراہان کو بھی تو مدعو کیا جاسکتا تھا؟

تجا، شری، مودی کی شرکت و افتتاح و خطاب، ایسے سوالات کو جنم دیتے ہیں جن کا کسی کے

پاس، کوئی جواب، نہیں۔

اس کا مقصد، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ:

سیکڑوں علما و مشائخ کے ٹھہر مٹ میں شری، نریندر مودی کی موجودگی اور انھیں خطاب کرتے ہوئے

جب کروڑوں لوگ، میڈیا کے ذریعہ دیکھیں گے، سنیں گے، تو وہ، نہ صرف، یہ کہ:

گجرات قتل عام ۲۰۰۲ء بھول جائیں گے۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک:

اس طرح، قابل قبول ہو جائیں گے کہ شری، مودی کی کشش، انھیں نظریاتی مسلم دشمن، بھاجپا سے

قریب کر دے گی اور بھاجپا، مسلمانوں کے سیاسی حلقوں اور مسلم ووٹروں میں اچھی طرح، اپنی گھس پٹھ

بنانے میں کامیاب ہو جائے گی؟

ذرا، ادل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ:

شری، نریندر مودی کی آؤ بھگت، اور محفل علما و مشائخ کو خطاب کرتے ہوئے دیکھ کر:

ان مسلم خواتین، ان ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے دل پر کیا گزرے گی، جن کی وحشیانہ عصمت دری

ہوئی ہے؟

جن کے باپ، بھائی، بیٹے و دیگر اہل خانہ اور رشتہ داروں کو بے رحمانہ درندگی کے ساتھ، شہید کیا گیا ہے؟

اور ان مسلمانوں کے دل پر کیا گزرے گی:

جن کے گھر کی عظمت مآب خواتین کی عزت و آبرو، لوٹی گئی ہے؟

جن کے، انہوں کو نہایب بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا ہے؟

جن گھربار لوٹے اور جلائے گئے ہیں؟

جن کی دکانوں اور ٹیکسٹریوں میں آگ لگائی گئی ہے؟

جن کی مسجدیں، شہید کی گئی ہیں؟

جنہیں، گھرے سے بے گھر اور ذلیل و رسوا کیا گیا ہے؟

جو، سکتے، ہلکتے، بارزتے، کانپتے ہوئے اپنے آنسوؤں کی زبانی، یہ فریاد کر رہے ہیں کہ:

نشیمن پھونکنے والے! ہماری زندگی یہ ہے

کبھی روئے، کبھی سجدے کیے، خاک نشیمن پر

صوفی کانفرنس و سیمینار، نئی دہلی کے حلقے سے ایک مختصر ترین تبصرہ، یہ ہو سکتا ہے کہ:

پروفیسر، طاہر القادری، پاک و ہند کے مذہبی حلقے میں ایک مخصوص، مذہبی بیڈت پسندانہ شہرت کے حامل ہیں۔

شرعی، نریندر مودی، ہندو پاک کے سیاسی حلقے میں اپنے قدامت پسند ہندو اتوادی نظریہ کے لئے

مشہور ہیں۔ جو، بچپن ہی میں آریس، آریس کے ورکر ہو گئے تھے۔

اور اس کانفرنس و سیمینار کے پلیٹ فارم سے پروفیسر طاہر القادری کو مذہبی قائد اعظم اور شرعی،

نریندر مودی کو سیاسی قائد اعظم کی حیثیت سے منظر عام پر لانا، کسی پوشیدہ حکمت عملی کا مقصد، نہ ہو، تب بھی،

اس کا نتیجہ، تقریباً یہی نکلے گا اور ضرور نکلے گا۔

کاش! اس صوفی سیمینار و کانفرنس کا محدود پیمانے پر ہی سہی، اپنے وسائل و ذرائع سے انتظام اور

پھر انعقاد کیا جاتا تو اس طرح کے بہت سے سوالات، پیدا ہی نہ ہوتے۔ اور سیمینار و کانفرنس کو علما و مشائخ

اہل سنت کی تائید و حمایت، عام طور سے حاصل ہوتی اور بھرپور حاصل ہوتی۔

امام اہلبیت، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور بعض علما خانوادہ ولی اللہ عزیزی، دہلی کی

کتب و رسائل میں تحریقات و لطائف کے مذموم عمل اور بعض فرضی و جعلی تحریرات، منسوب، بہ علما

خانوادہ ولی اللہ عزیزی، دہلی کی نشان دہی کر کے حضرت شاہ رفیع الدین، محدث دہلوی کے نواسے

کے پوتے، سید ظہیر الدین احمد، عرف سید احمد، ولی اللہ دہلوی نے اپنی ایک تحریر میں جس شعر پر اپنی

بات ختم کی ہے، وہی شعر، نذر قارئین کر کے، ہمیں اس موضوع کی اپنی اس تیسری تحریر کا اختتام کرتے

ہوئے سلسلہ تحریر کو موقوف کر رہا ہوں کہ:

مَنْ أَحْبَبَ حَقَّ بَدْوٍ كَفْتَمَ تَمَامَ

تَوَدَّ أَنْ يَدْرَكَ بَعْدَ آرِزِ مَوْلَانِ السَّلَامِ

”سوادِ اعظم کانفرنس“ کا صدارتی خطاب

خطاب: مولانا یونس اختر مصباحی، ترتیب: محمد ارشاد عالم نعمانی مصباحی
محترم سامعین! ”سوادِ اعظم“ کے نام سے اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر ہم، سب سے پہلے
قاری، سبطین رضا، قادری ایوبی (خانقاہ قادریہ لدھیانویہ - چیراکنک - ضلع کوشی نگر - مشرقی اتر پردیش) کو
ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس اہم موضوع پر کانفرنس کا انعقاد (بتاریخ ۲۳ جمادی الاولیٰ
۱۴۳۳ھ / ۲۷ مارچ ۲۰۱۲ء) کر کے، جماعت اہل سنت، ”سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے
تعارف و تذکرہ و تشہیر کے لئے نہایت تاریخی اور مفید قدم اٹھایا ہے۔

آپ کی اس سرزمین پر ”سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت“ کے موضوع پر منعقد ہونے والی
اس ”سوادِ اعظم کانفرنس“ (جسے حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی و حضرت مولانا مفتی محمد
نظام الدین، رضوی مصباحی اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی نے خطاب فرمایا۔) کے اثرات،
إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وسیع اور ہمہ گیر سطح پر ہوں گے اور اس نام سے ملک کے دیگر مقامات پر بھی
کانفرنسیں، منعقد ہوں گی۔ یہ، آپ کے لئے بہت ہی اعزاز و افتخار کی بات ہے۔

”سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت“ یہ ہمارا نام ہے جو الفاظ حدیث سے مستنبط اور ماخوذ
ہے۔ ایک حدیث مبارک، جسے آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے:

إِبْغُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شُدًّا فِي النَّارِ۔

سوادِ اعظم کی اقتداء و اتباع کرو، کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا، وہ، جہنم میں گیا۔

”سوادِ اعظم“ کا لفظ سن کر بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ:

”سوادِ اعظم“ کا مطلب کیا ہے؟ معنی کیا ہے؟ مفہوم کیا ہے؟

”سوادِ اعظم“ کہتے ہیں، بڑی جماعت کو، جمہور اُمت کو۔

سوادِ اعظم کا یہ لفظ، حدیثِ رسول سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔ تمہارے اوپر لازم ہے کہ

میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی کرو، ان کے ساتھ وابستہ رہو۔

اس حدیثِ رسول کی روشنی میں ہم، اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں۔

گویا، یہ سَوَادِ عَظِيم اور، یہ اہلِ سُنَّت، دونوں ”سُنَّتی“ نام ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: عَلَیْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ۔ اور دوسری حدیث میں ہے: یَا لَیْلَہُ عَلَی الْجَمَاعَةِ۔
 اِن احادیث مبارکہ میں جماعت کے ساتھ، رہنے کی تاکید و ہدایت اور جماعت کے لئے
 نُصْرَتِ اِلهِی کی بشارت ہے۔ اس طرح پورا نام ہوا ”سَوَادِ عَظِيمِ اِہْلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ“۔

اہلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ کون ہیں؟ سَوَادِ عَظِيمِ کون ہیں؟

ایک حدیث ہے جس میں رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:
 ”یہ اُمَّت، ہر تفرقوں میں بٹ جائے گی۔ کُلُّہَا فِی النَّارِ“ سارے فرقے جہنم میں
 ہوں گے سوائے مِلَّتِ واحدہ کے، ایک مِلَّتِ کے۔“

سوال کیا گیا حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّم سے کہ، وہ مِلَّتِ کون سی ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:
 مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ اس پر گناہوں نہ رہنے والے ہی جنتی ہیں۔“
 دعویٰ، ہر فرقہ کا ہے کہ ”مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی“ کا مصداق، ہم ہیں۔ سَوَادِ عَظِيمِ، ہم ہیں۔
 اہلِ سُنَّتِ، ہم ہیں۔ اس کا پتہ کیسے چلے؟

سَوَادِ عَظِيمِ، صحیح معنی میں کون ہے؟ اہلِ سُنَّتِ کون ہیں؟ اس سلسلے میں اہلِ سُنَّتِ کے نہایت
 عظیم ائمہ تبتِ مَحَدِّث، امامُ اَلْمَحَدِّثِیْن، حضرت شیخ عبدالحق، مَحَدِّثِ دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے
 بڑی عمدہ اور جامع گفتگو کی ہے اَشْعَةُ الْمُنْمَعَاتِ، شرح مشکوٰۃ میں۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ:
 اس سے پہلے کی جتنی بھی اہم کتابیں (تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کی) ہیں، اکٹھا کر لی جائیں
 اور ان کی روشنی میں تحقیق کر کے، نتیجہ نکالا جائے تو، یہ اہلِ سُنَّتِ ہی، سَوَادِ عَظِيمِ ہیں۔ اور
 یہی ”مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی“ کا مصداق ہیں۔

تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی صدیوں قدیم کتابوں سے یہی ثابت ہے۔“

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اٰکِلِ ہَمِّ ہَمِّ، سَوَادِ عَظِيمِ تھے اور آج بھی سَوَادِ عَظِيمِ ہیں۔ یہاں تک کہ:

جب، شاہ محمد اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) کی تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں
 ہندوستان کے اندر، ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑی، فرقہ پوہا بے کی ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۴ء میں، اُس وقت
 بھی جامع مسجد دہلی کے اندر، جو مباحثہ اور مناظرہ ہوا اُس کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالکلام
 آزاد نے کہا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے ”آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی“۔ عبدالرزاق بلخ آبادی
 ندوی نے جسے مرتب کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اس میں، یہ کہا ہے کہ:

شاہ اسماعیل دہلوی سے یہ مباحثہ جو ہوا اُس میں سارے علمائے دہلی ایک طرف تھے اور

شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ماننے والے ایک مولوی عبدالحق (بڈھانوی) دوسری طرف۔“

اور ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کے بقول:

شاہ مؤثر الدین دہلوی، شاہگر شاہ عبدالعزیز مَحَدِّثِ دہلوی، اس مناظرہ کے انعقاد کے سلسلے
 میں اور شاہ اسماعیل کے تعاقب میں پیش پیش تھے۔“

مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی فرزند ان شاہ رفیع الدین دہلوی، فرزند
 شاہ ولی اللہ مَحَدِّثِ دہلوی، اور علامہ فضل حق خیر آبادی و مولانا رشید الدین خاں دہلوی تلامذہ شاہ
 عبدالعزیز مَحَدِّثِ دہلوی اور دیگر علمائے مشائخِ سَوَادِ عَظِيمِ اِہْلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ نے شاہ محمد اسماعیل
 دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) اور ان کے ہم خیال مولوی عبدالحق بڈھانوی (متوفی ۱۸۲۸ء) کو
 مباحثہ جامع مسجد، دہلی (۱۲۳۰ھ/۱۸۲۴ء) میں بالکل عاجز و ساکت و لا جواب کر دیا۔

گویا، ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۴ء میں بھی سَوَادِ عَظِيمِ، اہلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ ہی تھے۔ اور اس سے جو الگ
 ہوئے، اُن میں قابلِ ذکر جو جامع مسجد دہلی کے مباحثہ میں نام تھا، وہ صرف دو تھے۔ اور ان
 دونوں کے پائے مقابل، سارے کے سارے علمائے مشائخِ کرام، سَوَادِ عَظِيمِ اِہْلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ تھے۔
 یہ ہندوستان کے ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۴ء کی بات ہے۔

اور ہندوستان کے اندر، سَوَادِ عَظِيمِ اِہْلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ کے نمائندہ، وہ علمائے مشائخِ کرام
 بھی ہیں، مختلف صدیوں اور ادوار کے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر، اسلام کی
 نشر و اشاعت، صوفیہ و مشائخِ کرام کے ذریعہ، زیادہ ہوئی۔ جن میں، یہ حضرات، نمایاں ہیں:
 حضرت داتا گنج بخش، بھجوری، لاہوری و حضرت بہاء الدین زکریا، ملتانی و حضرت خواجہ
 معین الدین، چشتی، اجمیری و حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر و حضرت خواجہ قطب الدین، تختیار کاکی
 دہلوی و حضرت محبوبِ اِلهِی نظام الدین اولیاء دہلوی و حضرت مخدوم علی احمد علاء الدین صابر کلپری
 و حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سنائی و حضرت مخدوم شرف الدین احمد بیکجی منیری
 اور اس طرح کے دیگر اکابر صوفیہ و مشائخِ کرام۔

یہ سَوَادِ عَظِيمِ اِہْلِ سُنَّتِ وَ جَمَاعَتِ کے پیشوا اور ہمنوا قائد و سالار ہیں۔ اور دُنیا جانتی ہے کہ
 یہ سارے کے سارے صوفیہ و مشائخِ کرام، سُنَّتی تھے۔ اور سُنَّتی ہونے کے ساتھ، خفی بھی تھے۔

لوگ، آج کل، بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اتحادِ اُمَّتِ کی اور اتحادِ بین المسلمین
 کی۔ میں، ان سے کہتا ہوں کہ:

یہ شخصیات، جن کے ذریعہ، ہندوستان کے اندر، اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے قدیم مذہب

مسلم پر، سب لوگ آجائیں تو خود بخود، ساری اُمت کا اتحاد ہو جائے گا۔ اور باطل مذاہب و مسالک کا وجود، خود بخود، مٹ جائے گا۔ اس کے لئے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اسی طرح سو ادا عظیم اہل سنت و جماعت کا تسلسل و تواتر بھی اچھی طرح، واضح ہو جائے گا۔ یہ تو ماضی کی بات ہے۔ ابھی حجاز مقدس کی بات، چل رہی تھی۔ ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ میں، مسجد نبوی شریف (مدینہ طیبہ) سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ باہر، باب مجیدی کی طرف، جا رہا تھا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد، قادری مہاجر مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کے دولت کدے کی طرف۔ جن سے نجدی قاضی سے مباحثہ کی ایک بات حضرت علامہ (محمد احمد، اعظمی، مصباحی) مصباحی نے بیان کی۔ میں، انھیں کے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک ہندوستانی ندوی اصلاحی مل گئے، جو مجھے ہندوستان ہی سے جانتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ:

”یہاں تو سب، آپ ہی کے لوگ، نظر آتے ہیں۔“

وہ، مدینہ یونیورسٹی میں لکچرر تھے اور کئی سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم تھے۔ انھوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ: یہاں تو سب، آپ ہی کے لوگ، نظر آتے ہیں۔“

”آپ ہی کے لوگ“ کا مطلب، یہ ہے کہ سنی، زیادہ نظر آتے ہیں۔

یہ سن کر، میں نے اُن سے کہا کہ: یہاں، ہمارے لوگ نہیں تو کیا آپ کے لوگ، نظر آئیں گے؟

یہ مدینہ طیبہ کا حال، اُس زمانے (۱۹۸۲ء) میں بھی تھا۔ اور لوگ، یہ سمجھتے ہیں کہ:

سعودیہ میں سب کے سب، یا، اکثر، وہابی ہی ہیں۔ ایسا معاملہ نہیں۔ سعودیہ کے دو حصے اور دو علاقے اور دو خطے ہیں۔ ایک کا نام ہے نجد اور ایک کا نام ہے حجاز۔ یوپی اور بہار سمجھ لیجیے۔

نجدی حصے (ریاض، ظہران، دمام، عسیر، احسا وغیرہ) میں وہابی رہتے ہیں۔

حجاز کا حصہ، جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدّہ اور طائف ہیں۔ یہاں کی قدیم آبادی، پہلے بھی سنی تھی اور آج بھی سنی ہی ہے۔

صرف، حکومتی عہدوں اور مناصب پر نجدیوں کے منتخب افسر اور مساجد میں ان کے مقرر، امام و مؤذن ہوتے ہیں۔ اس لئے بظاہر، ایسا لگتا ہے کہ یہی زیادہ ہیں۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو اصلی حجازی ہیں وہ پہلے بھی سنی تھے اور آج بھی سنی ہیں۔

اور ابھی، حضرت سید محمد بن علوی مالکی کی جن کا ۲۰۰۳ء میں انتقال ہوا ہے، حرمین طہین کے جلیل القدر خاندانی محدث و عالم دین شیخ طریقت تھے انھوں نے سارے نجدی شیوخ کو چیلنج کیا تھا کہ:

جو مجھ سے بحث کرنا چاہے، بحث کر لے۔ میں مذہب اہل سنت کی مٹانیت واضح اور ثابت کر دوں گا۔“

لیکن، کوئی نجدی شیخ و عالم، ان کے سامنے نہیں آیا۔ اور ان کا ادب و احترام، اتنا زیادہ تھا کہ

خود سعودی حکومت بھی ان کی طرف، آنکھ اٹھانے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت و ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ تو، یہ ماضی قریب اور آج کا حال ہے حجاز مقدس کا۔

وہاں پر صرف، حکومتی سطح پر قبضہ ہے نجدیوں کا، عوامی سطح پر، آج بھی سیکڑوں، ہزاروں گھروں میں میلاد شریف ہوتا ہے۔ اور میں، خود مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے لے کر ریاض تک بہت سی محافل میلاد میں شرکت کر چکا ہوں۔

آج کی یہ ”سو ادا عظیم کانفرنس“ جو درحقیقت ”سو ادا عظیم اہل سنت و جماعت کانفرنس“ ہے۔ یہ پیغام دینے کے لئے منعقد ہوئی ہے کہ:

جو قدیم سو ادا عظیم ہے اور جو قدیم اہل سنت و جماعت ہیں، ان کی راہ پر سب لوگ آجائیں۔

یہ بعد کے جو نوزائیدہ باطل مسالک اور مسائل ہیں، یہ خود بخود، ختم ہو جائیں گے۔ ان کا کوئی وجود ہی کہیں باقی نہیں رہ جائے گا۔

اہل سنت و علمائے اہل سنت کے تعلق سے اپنی لاعلمی بلکہ عناد و مخالفت کی وجہ سے مُعَاوِدِین و مُخَالِفِین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔

ان میں سے ایک بات، یہ بھی بار بار کہی اور لکھی جاتی ہے کہ:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پیدا کیا اور اسے پُر و ان چڑھایا۔“

ان ناواقفوں، یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ:

۱۲۳۰ھ/۱۸۲۲ء میں جب، تقویۃ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہو چکی تھی اور نقل و نقل لوگوں تک پہنچی رہی) منظر عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب، ۱۲۳۰ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے شاگرد رشید، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) نے دیا۔

اور ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۲ء میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف، علمائے اہل سنت نے جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۶ء) سے مناظرہ کر کے، بالکل، لاجواب کر دیا۔

اور ساتھ ہی ساتھ، یہ تاریخی حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ:

اس سنی وہابی مناظرہ جامع مسجد، دہلی میں، نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالم دین) تھا، نہ بریلی کا۔

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی پر ”مسلکی اختلاف پیدا کرنے کا الزام“ نہایت لغو اور باطل ہے جس کی تردید و تغلیط کے لئے اس حقیقت کا اظہار، کافی ہے کہ:

مناظرہ جامع مسجد دہلی ۱۲۳۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد، ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا

کی ولادت ہوئی۔ جب کہ خود آپ کے والد محترم، حضرت مولانا تقی علی، قادری، برکاتی بریلوی کی بھی اس مناظرہ (۱۲۳۰ھ/۱۸۲۳ء) کے، چھ (۶) سال بعد، ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی تھی۔

بدایوں بریلی میں متعدد جلیان القدر علمائے تھے۔ ان کی بہت ساری دینی و علمی خدمات ہیں۔ لیکن، اس تعلق سے جامع مسجد دہلی میں جو کچھ ہوا، اُس میں صرف علمائے دہلی شریک تھے اور انھوں نے ہی ان نئے (وہابی) خیالات کا رد و ابطال کیا۔

دوسرا تاریخی مناظرہ ”براہین قاطعہ“ مؤلفہ مولانا غلیل احمد، اینٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۸ء) و مصدقہ مولانا رشید احمد، گنگوہی (متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ/اگست ۱۹۰۵ء) کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف ہوا۔

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں بخاول پور، پنجاب (موجودہ پاکستان) کے اندر ہونے والے اس مناظرہ میں، ایک طرف، سنی علمائے پنجاب تھے اور دوسری طرف، دیوبندی علمائے سہارن پور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم، اس سنی دیوبندی مناظرہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

علمائے پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری (وصال ۱۳۱۵ھ) اور علمائے سہارن پور کی طرف سے مولانا غلیل احمد، اینٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۸ء) مناظرہ تھے۔ مناظرہ بہاول پور، پنجاب کی تفصیلی روداد ”تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل“ مؤلفہ مولانا غلام دستگیر، قصوری، لاہوری، پاک و ہند سے شائع ہو چکی ہے۔ اہل سنت کے درمیان، مختلف ادوار میں مختلف شخصیتیں، جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔

ادھر، آخری دور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات، فقہ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہیں۔ جن کی خدمات کے بارے میں آپ بہت، کچھ پڑھتے اور سنتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان کے اندر، ہماری جو شخصیات ہیں اور ہمارے جو نظریات ہیں، وہ تسلسل کے ساتھ ہیں اور ان کا تسلسل، ہماری شخصیات کا، قدیم دینی و روحانی مراکز کے ساتھ، خانوادہ ولی اللہی عزیزی، دہلی و خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ، اور بدایوں، پھر بریلی، ان سب دینی و علمی مراکز کے علمائے و مشائخ کرام کے ذریعہ، ہماری شخصیات کا تسلسل ہے۔ اور ہمارے نظریات کا تسلسل، اور ہمارے جو عقائد اور معمولات ہیں، وہ سب، مشہور و معروف ہیں۔ جنہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوا ادا عظیم سے الگ ہٹ کر، ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۳ء میں جو علمائے سامنے آئے اور جو نظریات، سامنے آئے، وہ بالکل نوزائیدہ ہیں۔ سوا ادا عظیم سے بالکل الگ، ہٹ کر ہیں۔ تو وہ، ہم سے جدا ہوئے

ہیں۔ ہم، کسی سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنی اصل سے، اپنی جڑ سے، اپنے وجود سے وابستہ، ہم، کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے لے کر خرمین طہمین تک، ہمارا تسلسل، شخصیات بھی اور نظریات بھی، ہر طرح سے قائم اور باقی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم، اپنے ان نظریات کو، اپنی ان شخصیات کو، تسلسل کے ساتھ، جانیں بھی اور ان کا ذکر و بیان بھی کریں۔

اپنے اکابر و اسلاف کو جانتا، ان کی خدمات کا تعارف کرانا، یہ ہمارا مذہبی، ملی اور قومی فریضہ ہے۔ اور جس طرح سے کوئی سعید اور صالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا، اپنے باپ دادا کا ذکر کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے اور تعریف سننے پر خوش ہوتا ہے، ہم کو بھی اسی طرح سے، بلکہ اس سے زیادہ اپنے اسلاف کا اور جتنی بھی نمایاں اور ممتاز اسلامی شخصیات و افراد ہیں، حسب ضرورت و اہمیت و افادیت، سب کا ذکر و بیان کرنا چاہیے۔ تاکہ نئی نسل، ان سب سے واقف ہو۔ اور یہ وراثت، نسل در نسل، آگے کی طرف، منتقل ہوتی رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کوئی نام، جب، نئی نسل کے سامنے آئے تو یہ نوجوان پوچھیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ جیسا کہ ”سوا ادا عظیم“ کا لفظ، جب پہلی مرتبہ، یہاں، آپ کے سامنے آیا تو آپ، چونک گئے کہ ”سوا ادا عظیم“ کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ تو، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ شخصیات کا، نظریات کا، بار بار، ذکر ہونا چاہیے، ان کا تعارف و تذکرہ کرنا اور کرانا چاہیے اور ان سے وابستہ رہ کر، آگے کا جو کام ہے دینی، علمی، وہ کرتے رہنا چاہیے۔

آج، میں یہ سمجھتا ہوں کہ:

اس ”سوا ادا عظیم کا نفرنس“ سے بانی خانقاہ اور بانی ادارہ، حضرت مولانا محمد ایوب شریف قادری، علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح، یقیناً خوش ہو رہی ہوگی کہ: میرے لڑکوں نے، میرے اہل خانہ نے، میرے مریدین، مخلصین، متوسلین اور مجاہدین نے میرے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھایا اور اسے ترقی دی۔

یہ ان کے لئے ایک بے حد روحانی مسرت کی بات ہوگی اور وہ، اپنی قبر میں یقیناً خوش ہو رہے ہوں گے۔ اس طرح کا کام، یہاں کے جو متعلقین و منتظمین ہیں، ان کو آئندہ بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ ان کا دینی و علمی فریضہ، ادا ہوتا رہے اور ان کے بزرگوں کی روئیں بھی خوش ہوتی رہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

(خطاب در ”سوا ادا عظیم کا نفرنس“، منعقدہ شب سہ شنبہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

۲۷ مارچ ۲۰۱۲ء۔ (بمقام چچراکنک۔ ضلع کوشی نگر۔ مشرقی اتر پردیش۔ انڈیا)